کلیدی خطبہ

خالدسیف اللہ رحمانی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين
وعلى آله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين ، أما بعد !

صدر عالی قدر، بزرگان محترم، برادران اسلام!

آج کے اس اجتماع کو دیکھ کراور آپ حضرات کی میز بانی کی سعادت پا کر شکر وسپاس کے جذبات کی لہریں کچھ اس طرح موجزن ہیں کہ انہیں الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا دشوار ہورہا ہے، یہ رسمی الفاظ نہیں ہیں؛ بلکہ یہ دل کی آواز ہے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی زحمت فرمائی کو قبول فرمائے اور اس اجتماع کو اسلام کی سربلندی اور امت کی سرفرازی کا ذریعہ بنائے۔

حضرات! انسان خود پیدا نہیں ہوا ہے؛ بلکہ وہ پیدا کیا گیا ہے، اسے جس دنیا میں بسایا گیا ہے، وہ اس دنیا ہی سے نہیں؛ بلکہ اپنے آپ سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہے، وہ اپنے نفع ونقصان سے بھی آگاہ نہیں ہے، وہ اپنی منزل کے بارے میں بھی نہیں جانتا کہ آخر اس دنیا کی آبلہ پائی کر کے اسے کہاں پہنچنا ہے، اور موت کے بعد اس کی خوابگاہ کہاں ہے، اسے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے؟— ان ساری باتوں کے جاننے کے لئے وہ کسی ایسی ہستی کا محتاج ہے، جس کا علم انسان اور اس کے گرد پھیلی ہوئی کائنات کو محیط ہو، جو انسان کا خیر خواہ اور اس سے محبت رکھنے والی ہو اور جو پوری انسانیت؛ بلکہ تمام مخلوقات کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرسکتی ہو۔

وہ ذات ہے خالق کائنات کی؛ کیوں کہ کسی شئ کی تخلیق کرنے والے سے بڑھ کر اس شئ کی حقیقت اور اس کے نفع ونقصان سے کوئی اور ذات واقف نہیں ہوسکتی؛ اس لئے اسی کی رہنمائی میں انسان اپنا سفر کامیابی کے ساتھ طے کرسکتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''أَ لَا لَـهُ الْـخَـلْـقُ وَالْأَمْـرُ '' (الأعراف: ۵۴) یعنی خدا ہی نے انسانیت کی تخلیق کی ہے اور اسی کا حکم انسانیت پر چلنے کے لائق ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جیسے کائنات میں انسان کی مادی ضرورتوں کا انتظام کیا ہے، اس کی روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا بھی خیال رکھا ہے، اس کو کائنات کے اسباب

ووسائل سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ بھی سکھایا گیا ہے اور زندگی گذارنے کے سلسلہ میں بھی اس کی رہنمائی کی گئی ہے، اس رہنمائی کے لئے خدا نے ایک طرف اپنی کتابیں اتاریں، دوسری طرف انسانوں ہی میں اپنے پیغمبر بھیجے؛ کیوں کہ انسان کے لئے انسان ہی نمونۂ عمل بن سکتا ہے، اگر خدا خود انسانی شکل میں آجاتا، جیسا کہ اوتار واد کا تصور ہے تو وہ انسان کے لئے قابل پیروی نہیں بن پاتا؛ کیوں کہ وہ ان خواہشات سے عاری اور ان ضروریات سے فارغ ہوتا، جو انسان کے لوازم میں سے ہیں، ہدایت کے یہی دو چراغ ہیں، جن کی روشنی انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھتی ہے، اس ہدایت ربانی کی ضرورت انسان کو اس لئے بھی ہے کہ وہ اپنی مصلحتوں کے مقابلہ اپنی خواہشات سے شکست کھا جاتا ہے، وہ جن چیزوں کے بارے میں جانتا ہے کہ یہ اس کو نقصان پہنچانے والی ہیں، غلبۂ خواہشات کی وجہ سے ان کا بھی ارتکاب کرنے پر اتر آتا ہے، خدا پر ایمان ،حرام وحلال کی پہچان، آخرت کی جواب دہی کا احساس اور اپنی بے ثباتی کا یقین ہی وہ حقیقتیں ہیں، جو خواہشات کی غلامی سے بچنے میں مُمد ومعاون ہوتی ہیں۔

اپنے اپنے عہد میں جتنی آسمانی کتابیں آئی ہیں اور انسانیت کے لئے جو ہدایت نامے بھیجے گئے ہیں، ان سب کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات والاصفات ہے، اس کے باوجود کہ انسان کی آمیزش پسندی نے قرآن مجید کے علاوہ کسی الہامی کتاب کو مکمل طور پر محفوظ نہیں رہنے دیا، خدا کا یقین، جزا وسزا کا تصور، کچھ کاموں کا باعث اجر ہونا اور کچھ کا سبب مؤاخذہ ہونا تمام مذہبی کتابوں کی مشترکہ تعلیمات ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی اخلاقی قدریں مذاہب کے درمیان متفق علیہ ہیں، افسوس کہ اس وقت مغرب کے افق سے جو تمدن طلوع ہو رہا ہے، اس کا بنیادی مزاج یہ ہے کہ انسان خدا کے تصور سے آزاد ہو جائے یا برائے نام چھٹی انگلی کی طرح خدا کا اور مذہب کا نام لے، حلال وحرام کی سرحدیں ختم ہو جائیں، لذت پرستی اور خواہشات کی حکمرانی میں کوئی چیز رکاوٹ ڈالنے والی نہ ہو؛ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آج مغرب اور مغرب زدہ دنیا میں شراب اور پانی میں کوئی فرق نہیں، جائز رشتے بوجھ بن گئے ہیں اور غیر قانونی تعلق فیشن بن گیا ہے، شرم وحیا فرسودہ چیز سمجھی جانے لگی ہے، اور ایسے عالمی نظام کی بنیاد رکھی جا رہی ہے، جس میں مذہب کا کہیں گذر نہ ہو اور انسانی زندگی میں اس کو دخل دینے کی بالکل اجازت نہ ہو۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت قریب قریب دنیا کے تمام مذاہب نے اس طوفان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور اپنی مذہبی کتابوں سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے، دنیا میں اس وقت مسلمان ہی ایک ایسی امت ہیں، جنھوں نے ہزار کوتاہیوں کے باوجود اپنی مذہبی کتاب سے اپنا رشتہ باقی رکھا ہے، وہ چاہے مسجد کی چہار دیواری میں ہو یا مدرسہ وخانقاہ کے احاطہ میں، تجارت کی منڈی میں ہو یا انصاف کی کرسی پر، تخت اقتدار پر ہو یا تختۂ دار پر، مسلمانوں کی بڑی تعداد ہر حال میں اور ہر جگہ اپنے علماء سے حکم شرعی دریافت کرتی ہے اور حلال وحرام کی حدوں کو

جاننا اور بہ حد امکان ان پر عمل کرنا چاہتی ہے، یہی وہ بات ہے جس نے مغرب کے میخانۂ الحاد کو امت مسلمہ کے خلاف کھڑا کر دیا ہے کہ مسلمان اس حمام میں آنے کو کیوں تیار نہیں ہیں، جس میں ساری دنیا بے لباس ہو کر آچکی ہے اور یہ امت ابھی تک کیوں حلال وحرام اور اخلاق وحیا کے فرسودہ خیالات کی اسیر ہے، اسی باعث مسلمانوں کو بنیاد پرستی، قدامت پسندی اور دقیانوسیت وغیرہ کے طعنے بھی دئے جاتے ہیں؛ لیکن بحمد اللہ مسلمانوں کو خدا اور رسول کی محبت میں طعن وطنز اور سب وشتم کے یہ کانٹے بھی پھول نظر آتے ہیں کہ :

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے
نگاہ یار سلامت ہزار میخانے

چنانچہ اس وقت دنیا میں قرآن مجید سے عداوت وعناد کی جو لہر پیدا کی جارہی ہے، جس کا ظہور کبھی قرآن مجید کو جلانے کی شکل میں ہوتا ہے، کبھی حامل قرآن مجید کے کارٹون بنا کر اور کبھی قرآن مجید کے خلاف زہر آلود لٹریچر اور پروپیگنڈے پر مبنی ابلاغی کوششوں کے ذریعہ، ان کا اصل ہدف صرف قرآن دشمنی نہیں ہے؛ بلکہ خدا بیزاری اور مذہب اور اخلاقی قدروں سے مکمل طور پر آزاد ہوجانے کا جذبہ ہے، —— اسی پس منظر میں قرآن مجید کے موضوع پر یہ سیمینار منعقد کیا جارہا ہے۔

حضرات ! اس کائنات کا ایک فطری نظام یہ ہے کہ جو چیز انسانیت کے لئے مفید اور نافع ہوتی ہے، دست قدرت خود اس کی حفاظت کرتا ہے، قرآن مجید نے اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ
كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۔ (الرعد:۱۷)

کائنات کی تمام چیزوں میں فطرت کا یہی نظام جاری وساری ہے؛ یہاں تک کہ یہ انسان جو اس دنیائے بے ثبات کی سب سے قیمتی شئے ہے، وہ بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں، جب انسان کی صلاحیتیں اپنے عروج پر پہنچ کر زوال کی طرف سفر کرتی ہیں تو پھر فرشتۂ غیب اس کو پردۂ ہستی سے ہٹا دیتا ہے اور انسان کے قریب ترین اعزہ واقارب بھی اسے زیادہ دیر اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں ہوتے؛ کیوں کہ اب اس سے اس دنیا کا کوئی مفاد متعلق نہیں رہا۔

خدا کا یہی نظام مذہبی کتابوں کے سلسلہ میں بھی رہا ہے، جن کتابوں سے اب انسانیت کی ہدایت اور اس کا روحانی نفع متعلق نہیں ہے، وہ محفوظ نہیں رہیں، بعض کتابیں وہ ہیں، جن کو اہل مذہب الہامی کتاب کہتے ہیں؛ لیکن یہ کتاب کس شخصیت پر الہام ہوئی، وہ اس کو بھی بتانے سے قاصر ہیں اور ان کے پاس اس کی کوئی سند موجود نہیں ہے، محمد رسول اللہ ﷺ سے قریب ترین عہد میں جو کتابیں نازل کی گئیں، ان کا بھی حال یہ ہے کہ وہ اپنی اصل زبان میں

موجودنہیں ہیں ؛ بلکہ ترجمہ در ترجمہ کی شکل میں ہیں، نہ ان کی کوئی سند ہے اور نہ ان کے جمع وتدوین کی کوئی تاریخ ؛ بلکہ اب تک اصلاح کے نام پر ان کی تعبیرات میں تبدیلیاں کی جاتی رہتی ہیں، قرآن مجید سے چوں کہ انسانیت کی ہدایت متعلق ہے اور اب قیامت تک کوئی اور کتاب آنے والی نہیں ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے: ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ'' ۔ (الحجر:۹)

قرآن مجید کی حفاظت کا یہ وعدہ اس شان سے پورا ہوا ہے کہ نہ صرف اس کے الفاظ کی حفاظت کی گئی ؛ بلکہ اس کے طرز ادائیگی اور منہج تلاوت کی بھی حفاظت کی گئی اور اس کے لئے مستقل طور پر فن تجوید وقرأت وجود میں آیا، قرآن مجید کے رسم الخط کی بھی حفاظت کی گئی ؛ چنانچہ آج بھی رسم عثمانی کے مطابق قرآن کی کتابت ہوتی ہے اور علماء نے اس سے انحراف کرنے سے منع کیا ہے، قرآن مجید کے معانی کی بھی حفاظت کی گئی ؛ چنانچہ محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی تشریحات کو محفوظ کر کے اور فقہاء نے درست مفاہیم مستنبط کر کے تحریف معنوی کا راستہ بند کر دیا؛ حالاں کہ تاریخ میں بعض ایسے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں، جنھوں نے قرآن میں معنوی تحریف کی کوشش کی ہے اور اپنے ذاتی خیالات کو قرآن میں سمونا چاہا ہے؛ لیکن امت میں کبھی ایسے افکار کو پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان اور بیان کے اس اسلوب کو بھی محفوظ رکھا، جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے، پندرہ سو سال سے کم عرصہ میں زبانیں اس قدر بدل جاتی ہیں کہ قدیم زبان کی جگہ گویا ایک نئی زبان پیدا ہو جاتی ہے؛ لیکن اس کے باوجود کہ طویل عرصہ سے عربی زبان، سائنس اور ٹیکنالوجی کی زبان نہیں ہے اور نہ اس سے لوگوں کے معاشی مفادات متعلق تھے، پھر بھی معجزاتی طور پر نہ صرف یہ زبان محفوظ ہے ؛ بلکہ اس کے ادب کا وہی معیار آج تک قائم ہے، جو نزول قرآن کے زمانہ میں تھا، اللہ تعالیٰ نے ان مقامات کی بھی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، جہاں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے، یعنی حرمین شریفین کہ انشاء اللہ دجال کے فتنے سے بھی ان کی حفاظت ہوگی اور اللہ نے اس امت کی بھی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جو قرآن مجید کی حامل ہے؛ چنانچہ حضور ﷺ کی پیشینگوئی ہے کہ اس امت پر اجتماعی عذاب نازل نہ ہوگا، جیسا کہ پچھلی بعض قوموں پر نازل ہو چکا ہے، قرآن مجید کی اس طرح غیر معمولی طور پر حفاظت کا غیبی انتظام دراصل اسی بنیاد پر ہے کہ اب قیامت تک انسانیت کی ہدایت اور اس کی فلاح وکامیابی قرآن مجید سے مربوط ہے۔

حضرات ! قرآن مجید کا اصل مقصد ہدایت ہی ہے؛ اسی لئے اس میں بار بار یاددلایا گیا ہے کہ ''وہ کتاب ہدایت ہے، متقیوں کے لئے'' (البقرۃ:۲) ''وہ ہدایت ہے تمام انسانیت کے لئے'' (البقرۃ:۱۸۵) وہ سب سے زیادہ درست اور سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے، (الاسراء:۹) اسی ہدایت کا ایک پہلو یہ ہے کہ جو لوگ قرآن مجید پر

ایمان نہیں رکھتے ہیں، وہ بھی قرآن کے بعض احکام کو قبول کرنے پر مجبور ہیں، دنیا کے اکثر مذاہب میں طلاق کا تصور نہیں تھا؛ لیکن طلاق بعض دفعہ ایک ضرورت بن جاتی ہے، جیسے باتھ روم ایک ناپسندیدہ جگہ ہے، جہاں انسان ضرورت سے زیادہ وقت گذارنا نہیں چاہتا؛ لیکن وہ گھر نامکمل ہے، جہاں انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کا انتظام نہ ہو، اسی طرح طلاق ایک ناپسندیدہ شئے ہے؛ لیکن وہ خاندانی نظام ناقص و نا تمام ہے جس میں نفرت کا شعلہ بھڑک جانے کے بعد رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کی گنجائش نہ ہو، اسی طرح عورتوں کو میراث میں حق نہیں ملتا تھا، قرآن نے ماں، بیٹی اور بیوی کو لازماً وارث قرار دیا اور بعض صورتوں میں دوسری خاتون رشتہ داروں کو بھی، (النساء:۱۲-۱۱) لڑکیوں کو خود اپنے لئے رشتہ کے انتخاب کا حق نہیں تھا، قرآن نے ان کو اس کا حق دیا: ''فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ'' (البقرۃ:۲۳۲) قرآن مجید کے ایسے بہت سے احکام ہیں جن کو آج پوری دنیا نے قبول کیا ہے، غرض کہ قرآن صرف آخرت کی فلاح ونجات ہی کے لحاظ سے ہادی نہیں ہے؛ بلکہ وہ خوشگوار، پُرسکون اور بہتر دنیوی زندگی کے لئے بھی ہادی ورہبر ہے۔

بزرگانِ محترم ! یہ سوال بار بار اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن مجید اس دور میں اتارا گیا ہے، جب انسان ترقی کی ابتدائی حالت میں تھا، جب انسان اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی منزلیں طے کرتا تھا، جب انسانیت آج کی سہولتوں سے محروم تھی، اور آج صورت حال یہ ہے کہ انسان ہوا کے دوش پر اڑتا ہے، اس نے سمندر کی گہرائیوں کو فتح کرلیا ہے، وہ ایک لمحہ میں اپنی آواز مشرق سے مغرب تک پہنچا سکتا ہے اور دنیا کے ایک کونے میں بیٹھ کر دوسرے کونے کے مناظر کو دیکھ سکتا ہے، اس دور کے لئے وہ کتاب کیسے کافی ہوسکتی ہے جو تمدن سے محروم بدوی دور میں نازل کی گئی؟ بظاہر یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے اور بعض اوقات نئی نسل کے دلوں میں شکوک وشبہات کے کانٹے بونے کا باعث بھی بنتی ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ محض ایک مغالطہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ترقی ہوئی ہے، ان کا تعلق وسائل سے ہے، انسان کی فطرت اور اس کی بنیادی ضرورتوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اپنی منزل تک جلد پہنچنے کی خواہش انسان کے اندر پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے، پہلے انسان اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اونٹوں اور گھوڑوں کا سہارا لیتا تھا، اور اب موٹر، بس، ٹرین اور جہاز کا سہارا لیتا ہے، انسان پہلے بھی بیماریوں سے شفا کا طلب گار تھا اور جڑی بوٹیوں سے استفادہ کرتا تھا، اب بھی وہ صحت وعلاج کے لئے بے قرار رہتا ہے اور آج جو وسائل میسر ہیں، ان سے استفادہ کرتا ہے، کل بھی سچائی کو پسند کیا جاتا تھا، دھوکہ اور جھوٹ کو لوگ ناپسند کرتے تھے، آج بھی سلیم الفطرت انسان کی پسند وناپسند یہی ہے۔

قرآن مجید اصل میں وسائل کو نہیں؛ بلکہ انسان کے فطری جذبات اور برتاؤ کو اپنا موضوع بناتا ہے، وہ بتاتا

ہے کہ کن وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ اگر آپ کے پاس تیز رفتار سواری ہے تو آپ اسے خیر کے کاموں میں استعمال کریں نہ کہ شر کے، اگر آپ کو جدید اور تیز رفتار ذرائع ابلاغ میسر ہیں تو آپ کی طرف سے ان کا استعمال خیر کی اشاعت اور بُرائی کو روکنے میں ہو، اگر آپ نے دفاعی قوت حاصل کی ہے تو اس کا استعمال ظلم کے مقابلہ کے لئے ہو نہ کہ ظلم کرنے کے لئے، غرض کہ قرآن کی تعلیمات کا تعلق اصل میں وسائل کے استعمال سے ہے نہ کہ وسائل کی پیدائش سے؛ اس لئے سائنس جس قدر ترقی کرتی جائے گی، ایجادات واختراعات جس قدر بڑھتی جائیں گی اور وسائل میں جس قدر اضافہ ہوتا جائے گا، قرآن کی ہدایت اور اس کی رہنمائی کی ضرورت بھی بڑھتی جائے گی؛ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ موجودہ ترقیات نے قرآن مجید کی رہنمائی کی ضرورت کو کم نہیں کیا ہے؛ بلکہ بڑھا دیا ہے۔

حضرات ! اس سیمینار کے لئے ایسے عناوین منتخب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو عصر حاضر کے تناظر میں اہمیت کے حامل ہیں، جن سے انشاء اللہ قرآنی تعلیمات کی آفاقیت، انسانی ضرورت ومصلحت سے ہم آہنگی، فطرت سے موافقت اور عقل وتجربہ کی روشنی میں واقعیت وحقانیت کی وضاحت ہوگی، نیز دعوتی کام کرنے والوں کو بہتر مواد فراہم ہوگا؛ تاکہ ان کی دعوت شعور وآگہی اور بصیرت پر مبنی ہو، نیز اس کے علاوہ قرآن کی تدریس کو مؤثر بنانے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک قرآن کو پہنچانے کے مفید طریقوں کی بھی رہنمائی ہوگی، اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو ان مقاصد کے حاصل ہونے کا ذریعہ بنائے!

حضرات ! ہمارے لئے خوشی کی بات ہے کہ اس وقت ہندوستان کا ایک تاریخی شہر حیدرآباد جس کا تاریخی نام ''فرخندہ بنیاد'' ہے، آپ کے لئے دل کی آنکھیں بچھائے ہوئے ہے، اس شہر کی بنیاد ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۹۰ء میں محمد قلی قطب شاہ جیسے عابد شب بیدار بادشاہ نے رکھی، اور خود اسے یہ شہر ایسا بھایا کہ اس نے شعر میں اپنے ہی بنائے اور بسائے ہوئے شہر کو داد دی کہ :

لطیف و دل کشا آب و ہوائے
مبارک منزلے فرخندہ جائے

یہ شہر اور دکن کا پورا خطہ ابتدائی دور ہی سے علم وادب کا مرکز رہا ہے، اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ولی دکنی اور اردو کی پہلی نثر ''معراج العاشقین'' جو خواجہ گیسو دراز کی طرف منسوب ہے، دونوں کا تعلق دکن سے تھا، اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ اردو کی جائے پیدائش اور جائے پرورش ہے، زمانۂ قدیم کے علاوہ ماضیٔ قریب میں بھی اس شہر میں بڑی اہم شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں، جامعہ نظامیہ کے بانی فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ شاہ فاروقی، محدث دکن مولانا عبد اللہ شاہ، تحریک اسلامی کے مؤسس مولانا سید ابو الاعلی مودودی، مولانا حسام الدین فاضل، نواب وحید الزماں

حیدرآبادی (مترجم کتب حدیث) اورمیدان تحقیق کے درآبدار اور نادرۂ روزگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ اسی شہر سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح امجد حیدرآبادی جیسے رباعی گو اور اخلاقیات کے شاعر، مخدوم محی الدین جیسے باغیانہ شاعری کے سپہ سالار اور جدید لب ولہجہ کے شعراء شاذ تمکنت اور اوج یعقوبی کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا، حال حال کی شخصیتوں میں مجلس تعمیر ملت کے بانی سید خلیل اللہ حسینی، بلند پایہ واعظ و مصلح اور عالم حضرت مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقلؒ اور بالغ نظر حوصلہ مند معروف قائد سلطان صلاح الدین اویسی یہیں پیدا ہوئے اور یہیں سے ان کی کوششیں پورے ہندوستان تک پہنچیں، گذشتہ ایک دہے میں یہ شہر جن اہم علمی و دینی ہستیوں سے محروم ہوا ہے، ان میں معروف صاحبِ قلم مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا سید اکبرالدین قاسمی اور محترم دوست جناب قاری محمد تقی الدین صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

شہر کی بنیاد بھی ایک ایسے بادشاہ نے رکھی جو سلطان ہونے کے باوجود درویش تھا، اور اس شہر میں اسلام کی دعوت واشاعت کا کام بھی ایک صاحب نسبت بزرگ بابا شرف الدینؒ عراقی سے ہوا ہے، جو براہ راست شیخ شہاب الدین سہرورد یؒ کے مجاز تھے، یہ عراق سے شمالی ہندوستان اور وہاں سے دکن تشریف لائے، ۶۸۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کی قبر شہر کے ایک کنارے یہاں سے قریب ایک پہاڑی پر موجود ہے، جو بابا شرف الدین کی پہاڑی کہلاتی ہے، آپ کے ساتھ آپ کے بھائی بابا شہاب الدین بھی تشریف لائے تھے، جنھوں نے اس علاقہ میں بڑا دعوتی کام کیا اور بابا شرف الدین کے چار سال بعد وفات پائی، اس علم پرور شہر میں بہت سے علماء یمن، افغانستان اور شمالی ہند کے علاقوں سے آکر بھی خیمہ زن ہوئے ہیں، مولانا حافظ محمد احمد دیوبندی، مولانا سید مناظر حسن گیلانی، مولانا سید عبدالباری ندوی، مولانا فضل اللہ جیلانی، پروفیسر الیاس برنی، مولانا عبدالقدیر بدایونی، مولانا ابوالوفاء افغانی وغیرہ ان ہی علماء میں ہیں، یہیں ان کی مسند فیض بچھی اور یہیں سے ان کے علم کی روشنی پوری دنیا میں پہنچی، ان کے علاوہ یہ شہر مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور ماہرالقادری نیز جوش ملیح آبادی جیسے علماء وادباء کا بھی میزبان رہا ہے۔

یہ شہر تحریکوں اور اداروں کا بھی مرکز رہا ہے، خاص کر جامعہ نظامیہ ہندوستان کی قدیم دینی درسگاہوں میں سے ایک ہے، جس کے فیض یافتگان ہندوستان کے علاوہ بیرون ملک میں بھی بکثرت موجود ہیں، دوسرا اہم بلکہ اپنی نوعیت کا منفرد اور پورے ملک کے لئے مایہ افتخار ادارہ ''دائرۃ المعارف العثمانیہ'' ہے، حدیث ورجال، فقہ وتاریخ، طب ولغت اور تفسیر کے بہت سے مخطوطات پہلی بار دائرہ سے شائع ہوئے، شیخ علی متقی کی ''کنز العمال''، علامہ سمعانی کی ''کتاب الأنساب''، امام محمد بن حسن الشیبانی کی ''کتاب الأصل''، علامہ ذہبی کی ''تذکرۃ الحفاظ''

اور نہ جانے کیسے کیسے علمی ذخیرے ہیں، جو دائرۃ المعارف کے واسطے سے اہل علم کی آنکھوں کا سرمہ بنے اور اس کے ذریعہ یہ علمی امانتیں مخطوطات کے دفینوں سے مطبوعات کے سفینوں تک پہنچیں، جب کہ اس وقت عربی کتابوں کی طباعت آسان نہیں تھی۔

جب ذکر اداروں کا آیا ہے تو دو 'مرحوم' اداروں کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگی، ایک دار الترجمہ کا جسے آصف جاہی حکومت نے قائم کیا، اور جس نے مشرق ومغرب کے لعل وگہر کو اردو کا جامہ پہنایا، نیز اردو اصطلاحات کو وضع کرنے کا نہایت اہم کام انجام دیا، جس کا فائدہ اب بھی پڑوسی ملک کو پہونچ رہا ہے، دوسرا ''احیاء المعارف النعمانیہ'' ہے، ممتاز فقیہ اور صاحب نظر عالم مولانا ابو الوفاء افغانی نے جس کی بنیاد رکھی، یہیں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کی ''کتاب الآثار'' شائع ہوئی، امام محمد کی ''جامع کبیر'' طبع ہوئی، سرخسی کی شرح السیر الکبیر اور شرح الزیادات طبع ہوئی، زیادات الزیادات کی طباعت عمل میں آئی، غرض کہ فقہ حنفی کی بنیادی کتابیں جو اہل علم کی نظر سے اب تک مخفی تھیں، اسی ادارہ کے ذریعہ اہل ذوق کے ہاتھوں تک پہونچیں۔

۱۹۴۸ء میں ایک ایسا طوفان آیا کہ اگر آسمان اس پر خون کے آنسو برساتا تب بھی بجا ہوتا، لگتا تھا کہ اس خطہ سے ہر وہ علامت مٹادی جائے گی، جس کی نسبت اسلام اور مسلمانوں سے ہو؛ لیکن اسلام کا نشہ ایسا نشہ نہیں ہے، جسے ظلم وجور کی آندھیاں اُڑا لے جائیں؛ چنانچہ طوفان آیا اور گذر گیا، اس موقع سے شہداء حق نے جو اپنے لہو نچوڑ نچوڑ کر سرزمین دکن کو آبیار کیا، اسی کی آغوش سے ایک نیا سورج طلوع ہوا، دین پر استقامت کا سورج، علم کا سورج، حوصلہ وہمت کا سورج؛ چنانچہ آج یہ شہر دینی تعلیم، عصری تعلیم، دعوتِ دین اور خدمتِ خلق کے اداروں، اور ان اداروں کے تحت ہونے والی کوششوں، نیز مسلمانوں کی سیاسی قوت کے اعتبار سے ایک مثالی شہر بن چکا ہے، شاید یہ اس شہر کے بانی قلی قطب شاہ کی دعاء دردمندانہ کا اثر ہے، جنہوں نے کہا تھا:

مرا شہر لوگاں سوں معمور کر

اس حقیقت کا عرض کرنا مناسب ہوگا کہ قرآن مجید کی خدمت میں بھی دکن اور حیدرآباد کا نمایاں حصہ رہا ہے، بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کی تحقیق کے مطابق شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی سے بھی کافی پہلے دکنی اردو میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے، ان کا اندازہ ہے کہ یہ ترجمہ دسویں صدی کے اوائل کا ہے، جب کہ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے تیرہویں صدی کے آغاز کے ہیں، ان ہی کے تحقیق کے مطابق ''تنزیل'' کے نام سے قرآن مجید کی ایک قدیم تفسیر ملتی ہے، جو ۱۱۴۷ھ کی تالیف ہے، اور مصنف کا نام سید بابا قادری ہے، یہ تفسیر اگرچہ خالص دکنی زبان میں نہیں ہے؛ لیکن اس میں دکنی الفاظ بھی موجود ہیں جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ

مصنف دکن کے رہیں ہوں گے، اور تفسیر اردو میں لکھی ہوگی؛ لیکن اپنی مادری زبان کے الفاظ بے ساختہ قلم پر آ گئے ہوں گے،''دائرۃ المعارف العثمانیہ'' نے قرآن سے متعلق متعدد کتابیں شائع کی ہیں، جن میں سرفہرست امام برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی (متوفی: ۸۸۵ھ) کی ''نظم الدرر'' ہے، جو بائیس جلدوں پر مشتمل ہے، یہ کتاب یوں تو قرآن مجید کی ایک مکمل تفسیر ہے؛ لیکن ربط آیات وربط سوَر کے سلسلہ میں منفرد نوعیت کی حامل کتاب ہے، جس پر دائرہ کے فاضل مصحح مولانا محمد عمران اعظمی نے بڑی محنت سے تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے،''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی شرح میں علامہ عبدالکریم ہروی کی ''الکہف والرقیم'' ایک فاضلانہ تالیف ہے، سورہ فاتحہ کی مبسوط تفسیر ''اعجاز البیان فی تأویل الفرقان'' بھی پہلی بار یہیں سے شائع ہوئی، جو مشہور صوفی محی الدین ابن عربی کے شاگرد علامہ محمد بن اسحاق صدرالدین قونوی (متوفی: ۶۷۲ھ) کی تالیف ہے، قرآن مجید کے مفردات اور وجوہ ونظائر پر علامہ جمال الدین ابوالفرج بن جوزی کی ''**نزهة الأعين النواظر فی علم الوجوه والنظائر**'' یہیں سے شائع ہوئی ہے، قرآن اور حدیث کے مفردات پر مشترک کتاب ''**الغريبين**'' (تالیف: علامہ ابوعمر ہروی، متوفی: ۴۰۱ھ) پہلی بار یہیں سے شائع ہوئی ہے۔

جامعہ نظامیہ — جو جنوبی ہند کی ممتاز اور بافیض دینی درسگاہ ہے — سے تعلق رکھنے والے بزرگوں نے بھی قرآن مجید کی خدمت میں اپنا حصہ ادا کیا ہے، بانی جامعہ حضرت مولانا شاہ انواراللہ فاروقیؒ کی گراں قدر تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو قرآنیات کا خاص ذوق تھا؛ چنانچہ آپ کے قرآنی افادات کو جامعہ کے ایک فاضل نے ''تفسیرات انوار'' کے نام سے شائع کیا ہے، جامعہ کی ایک قابل قدر ہستی مولانا محمد شطاری نے قرآن مجید کی قسموں پر، حروف مقطعات پر، قرآن مجید کی پیشینگوئیوں پر، اور سورہ عصر کی تفسیر پر مختلف مختصر ومبسوط کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اسی طرح مولانا محمد شاہ عمر حسینی اور ان کے صاحبزادہ گرامی معروف فاضل مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری نے مل کر پورے قرآن مجید کی تفسیر فرمائی، جس کا نام ''تفسیر قادری'' ہے، اور تاریخی نام ''کشف القلوب'' ہے، حیدرآباد میں قرآن مجید کی قابل ذکر خدمات میں، ایک مولانا قاری محمد عبدالباری صاحب کا ترجمۂ قرآن مع مختصر حواشی ہے، جو عوام کے لئے نہایت سہل زبان میں کیا گیا ہے، ماضی قریب میں ''قصص قرآن'' پر مولانا عبدالرحمٰن مظاہری کی دو جلدوں میں ''ہدایت کے چراغ'' بھی ایک بہتر تالیف ہے۔

مغربی زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمہ کی خدمت میں بھی حیدرآباد کا نمایاں حصہ رہا ہے، مارماڈیوک پکتھال — جن کا انگریزی ترجمہ مقبول خاص وعام ہے — نے حیدرآباد ہی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور یہیں کے تعاون سے مصر جا کر اس کی تصحیح کی، انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ایک اور ترجمہ ڈاکٹر سید عبداللطیف کا ہے،

ان کا بھی تعلق حیدرآباد ہی سے تھا، انگریزی کا ایک آسان ترجمہ ڈاکٹر انیس الدین صاحب مرحوم نے کچھ ہی عرصہ پہلے کیا ہے، جس میں سائنسی حقائق کو واضح کرنے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، انگریزی ترجموں کے سلسلہ میں عماد الملک سید حسین بلگرامی کا ذکر بھی مناسب ہوگا، جنھوں نے ابتداء سے سورۂ طٰہ کے ختم تک قرآن پاک کا ترجمہ کیا، مولانا عبدالماجد دریابادی نے ان کے ترجمہ پر خوب داد دی ہے، یہ ترجمہ حیدرآباد میں ہوا، اور نظام ہفتم کے خصوصی تعاون سے ہوا، فرنچ زبان میں ترجمہ قرآن کی خدمت مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے کی اور عرصہ تک پیرس میں مقیم رہے، اور سیکڑوں لوگوں کو ان کے ذریعہ ہدایت حاصل ہوئی، اس کے علاوہ میر عثمان علی خان نظام ہفتم نے مرہٹی، گجراتی، تمل اور گورمکھی ترجموں کی تیاری اور اشاعت میں بھی تعاون کیا ہے، ڈاکٹر سید داؤد اشرف نے آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے حوالہ سے اس کی تفصیل نقل کی ہے۔

ترجمہ وتفسیر کے علاوہ تجوید کے سلسلہ میں یہ شہر طویل عرصہ سے اعلیٰ ذوق کا حامل رہا ہے، اس سلسلہ میں قاری محمد کلیم اللہ حسینی مرحوم کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس شہر سے تعلق رکھنے والے کئی قراء حضرات کو قرأت کے سلسلہ میں بین الاقوامی ایوارڈ مل چکا ہے، غرض کہ قرآن مجید کی خدمت میں حیدرآباد کا بھی قابل ذکر حصہ رہا ہے۔

''المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد'' جس کے زیر اہتمام یہ سیمینار منعقد ہو رہا ہے، ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں اس کا قیام عمل میں آیا، ادارہ کے ایک صاحب ذوق مخلص نے اس کی تاریخ ''وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ'' کے فقرہ سے نکالی ہے، اس کے قیام کے بنیادی مقاصد ہیں: مختلف اسلامی علوم میں باصلاحیت افراد کار کی تیاری، علماء کو جدید تقاضوں سے واقف کرانا، اور عصری تعلیم یافتہ حضرات کو دین سے آشنا کرنا؛ تاکہ اہل علم کی ایک ایسی ٹیم تیار ہو سکے جو دینی وعصری علوم کی جامع ہو، جن موضوعات پر تحقیق کی ضرورت ہے، ان میں فضلاء سے جمع وتحقیق کا کام لیا جائے اور جو مخطوطات اب تک تشنۂ طبع ہیں ان پر بھی تحقیق وتعلیق کا کام ہو، نیز برادران وطن میں دعوت کے کام کے لئے دینی مدارس اور عصری دانش گاہوں کے فضلاء کو تیار کیا جائے۔

ان مقاصد کے لئے یہاں علوم القرآن، علوم الحدیث، فقہ اسلامی، دعوت اور مقارنۃ الأدیان میں اختصاص کے شعبے شروع سے قائم ہیں، گذشتہ سال سے افتاء کئے ہوئے طلبہ کے لئے اسلامک فائنانس میں ڈپلوما کا بھی آغاز کیا گیا ہے، ان تمام شعبوں میں انگریزی زبان، کمپیوٹر، جغرافیہ، تاریخ ہند، علم شہریت اور معاشیات کے مبادی، نیز دستور ہند کے بعض ابواب لازمی طور پر داخل نصاب ہیں، گذشتہ دس سال کے عرصہ میں فتاوی سراجیہ، فوائد ظہیریہ، تفسیرات احمدیہ، احکام القرآن للجصاص، شرح معانی الآثار للطحاوی، الکافی للحاکم الشہید، الأدلۃ الشریفۃ علی مذہب

اَبی حنیفہؒ وغیرہ متعدد مخطوطات یا مطبوعات پر تحقیق وتعلیق کا کام ہوا ہے، یا ابھی جاری ہے، یوں تو معہد میں دعوتی تربیت کا ایک شعبہ بھی ہے؛ لیکن اس کے علاوہ معہد کے زیر نگرانی مستقل ایک دعوتی ادارہ بھی ''سنٹر فار پیس اینڈ ٹرومیسیج'' کے نام سے قائم ہے، جو برادران وطن میں دعوت کا اور مختلف اہل مذاہب کے درمیان مذہبی ہم آہنگی پیدا کرنے کا کام کرتا ہے، بحمد اللہ آندھرا پردیش میں بحیثیت مجموعی ۶۰ مقامات پر اس کے تحت کام ہوتا ہے۔

عصری دانش گاہوں کے فضلاء کو دینی تعلیم دینے کے لئے معہد نے ایک مختصر مدتی عالم کورس ''مدرسہ عبداللہ بن مسعودؓ'' کے نام سے قائم کیا ہے، جس کی تعلیم روزانہ مغرب کے بعد تین تا چار گھنٹے ہوتی ہے، اس میں زیادہ تر عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم طلبہ یا وہاں سے پڑھے ہوئے لوگ داخل ہوتے ہیں، اور انہیں ابتدائی نحو وصرف سے لے کر صحاح ستہ کے منتخبات تک پڑھائے جاتے ہیں۔

حضرات ! آج جب کہ معہد کے قیام پر ۱۰/ سال کا عرصہ مکمل ہو چکا ہے، ادارہ کے ٹرسٹ کی جانب سے اعلان کیا جاتا ہے کہ :

- ☆ انشاء اللہ جون ۲۰۱۱ء سے کامرس اور ایم بی اے کے طلبہ کے لئے ''اسلامک فائنانس'' ڈپلوما کورس شروع کیا جائے گا۔
- ☆ دوسرے معہد نے طے کیا ہے کہ ایک ایسی دینی درسگاہ کا آغاز کیا جائے، جس کا ذریعۂ تعلیم عربی اور انگریزی ہو اور جس میں جلالین اور ہدایہ اولین تک تعلیم کے ساتھ ساتھ میٹرک تک کے نصاب کے اہم مضامین اس طرح شامل کئے جائیں کہ وہ دسویں جماعت کا امتحان دے سکیں؛ تاکہ اگلے پانچ سال میں وہ چاہیں تو فضیلت اور آگے کا کورس کریں یا گریجویشن کریں، جیسا کہ اس وقت برطانیہ یا خلیجی ممالک کا تعلیمی نظام ہے، خدا کرے یہ تجربہ کامیابی سے ہمکنار ہو، انشاء اللہ جون ۲۰۱۱ء یا شوال ۱۴۳۲ھ سے اس کی ابتداء کی جائے گی۔
- ☆ تیسرا منصوبہ مستقل طور پر تحقیق مخطوطات کے شعبہ کا قیام ہے؛ کیوں کہ دائرۃ المعارف العثمانیہ کی زبوں حالی اور حکومت کی طرف سے سوتیلے سلوک کے پس منظر میں اب یہ بات ضروری ہوگئی ہے کہ جس طرح مسلمان اپنی مذہبی تعلیم کے سلسلہ میں حکومت کے تعاون سے آزاد ہو کر خدمت کر رہے ہیں، اسی طرح وہ اپنے بزرگوں کے علمی ورثہ کی بھی خود حفاظت کریں اور حکومت یا کسی اور پر تکیہ نہ کریں۔

آپ حضرات کی دُعاؤں کی جلو میں اللہ کے فضل وکرم سے انشاء اللہ یہ تعلیمی اور تحقیقی منصوبے آگے

بڑھیں گے اور یہ کارواں اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے گا۔

میں اخیر میں ایک بار پھر آپ حضرات کی تشریف آوری اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور خدا کے حضور دعاء گو ہوں کہ وہ اخلاص اور عزم وحوصلہ کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسی ذات یکتا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ :

جو کچھ ہوا ہے ، ہوا ہے کرم سے تیرے
جو بھی ہوگا ، تیرے کرم سے ہوگا

○ ○ ○